ڈاکٹر عاصمہ رانی
اسسٹنٹ پروفیسر، صدر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی، بہاول پور
ڈاکٹر وجیہہ خلیل
لیکچرر اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج آف کامرس، بورے والا

نثار عزیز بٹ کی غیر افسانوی نثر کا فکری و تنقیدی جائزہ

Abstracts

An intellectual and critical review of Nisar Aziz Butt's non-fiction prose

By **Dr. Aasma Rani**, Assistant professor, head of Urdu Department, Govt. Sadiq College Women University Bahawalpur.

Dr. Wajiha Khalil, Lecturer Urdu, Govt. Graduate College of Commerce, Burewala.

The best way to express our feelings and emotions is through prose and poetry via literature that we are connected to our culture, religion and history. Every poet and writer is a image of his or her own era. They present the conditions of the time, the events, the feelings and emotions of the people, the atrocities committed against them and the change in the form of art.

Nisar Aziz Butt is one of such writer who has given the readers of Urdu literature the best of his Biography *Gaye Dinu Ka Surag* and excellence Novel like *Nagri Nagri Phira Musafir*, *Nae Chiraghay Nae Gulay*, *Darya Kay Sang*, *Karavan-i-Wujood*. In addition to these fictional creations, Nisar Aziz Butt has also experimented with non-fiction literature. *Zanbeel* book is the collection of Afsana, Sketch's and Essays. In this article, we will, review Nisar Aziz Butt's non-fiction Prose, sketches and essays.

Keywords: Non-fiction Prose, Sketches, Essays, Zanbeel, Literature, Emotions, Feelings, Thoughts.

نثار عزیز بٹ نے اُردو ادب کے قارئین کو بہترین آپ بیتی "گئے دنوں کا سراغ" اور عمدہ ناول "نگری نگری پھرا مسافر"، "نے چراغ نے گُلے"، "دریا کے سنگ"، "کاروانِ وجود" اور افسانوں سے محظوظ کیا۔ ان افسانوی تخلیقات کے علاوہ نثار عزیز بٹ نے غیر افسانوی ادب میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ جس میں خاکہ اور مضمون نگاری شامل ہیں۔

خاکہ کسی مشہور شخصیت کے کچھ پہلوؤں کو قلم بند کرنے کا نام ہے۔ خاکہ نگاری ایسی صنف ہے جس میں خاکہ نگار کو شخصیت سے گہری وابستگی اور اس کی ذات کے مثبت و منفی پہلوؤں سے آگاہی لازم ہوتی ہے کیونکہ خاکہ صرف واقعات تخلیق کرنے کا نام نہیں، حقیقی شخصیت تک رسائی ہی دراصل خاکہ نگاری کا منصب ہے۔ انگریزی میں خاکہ کے لیے Sketch کا لفظ رائج ہے۔ خاکہ ایک باقاعدہ صنفِ ادب ہے اس کو قصیدہ، سوانح اور مضمون سے ہرگز منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ خاکے میں اختصار، وحدتِ تاثر، واقعہ نگاری، مرقع نگاری، توازن اور اسلوبِ بیان تمام لوازمات کا ہونا ضروری ہے۔ خاکہ ایک ایسی غیر نثری صنفِ ادب ہے جس کا خام مواد کسی دوسری شخصیت کے اخذ اور مطالعہ سے حاصل کیا جاتا ہے لیکن عمدہ خاکے میں اس خام مواد کو من و عن پیش نہیں کرتے کیونکہ مختلف واقعات کو مشاہدہ بینی کے تاثر اور تجزیئے کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے اور یہی وہ مشکل مرحلہ ہے جہاں مصنف کے تخلیقی جوہر سے مِس خام راکھ بن جاتا ہے یا کبھی کندن۔ (۱)

> "اردو ادب کے تمام محققین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ خاکہ، سوانح کے مقابلے میں ایک ایسی صنف ہے جو صاحب خاکہ کی زندگی کے چند پہلوؤں یا کسی ایک پہلو کا احاطہ کرتا ہے اور خاکہ نگار اسی مخصوص پہلو کے متعلق مختلف واقعات اور خصوصیات کو یکجا کر کے صاحب خاکہ کے کردار کو جیتا جاگتا پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ، قد کاٹھ، جسمانی خدوخال اور عادات وغیرہ کو اس واضح انداز سے لفظوں میں بیان کرتا ہے کہ خاکے کی انگریزی تعریف کے بقدر بالفظی تصویر قلمی تصویر قارئین کے سامنے گھومتی اور چلتی پھرتی نظر آئے۔"(۲)

اُردو ادب میں خاکہ نگاری کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی میں ہوا۔ خاکہ نگاری نے بہت جلد ادب میں ترقی حاصل کی اور یہ ایسی نثری صنف بن گئی جس کی اہمیت اور مقبولیت دوسری اصناف کی طرح ہے۔ خاکہ نگاری میں طبع آزمائی کرنے والوں میں مرزا فرحت اللہ بیگ خواجہ حسن نظامی، مولوی عبدالحق، شاہد احمد دہلوی، اشرف

صبوحی، رشید احمد صدیقی، جوش ملیح آبادی، مرزا محمود بیگ، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، شوکت تھانوی، محمد طفیل، چراغ حسن حسرت، کرشن چندر، قرۃ العین حیدر، احمد بشیر، مجید سالک، قدرت اللہ شہاب، ضمیر جعفری اور نثار عزیز بٹ وغیرہ شامل ہیں۔ نثار عزیز بٹ نے اُردو ادب کی بہترین قلم کاروں ہاجرہ مسرور، ممتاز شیریں، خدیجہ مستور، حجاب امتیاز علی اور جمیلہ ہاشمی پر عمدہ خاکے لکھے ہیں، جو ان کی تصنیف زنبیل میں شامل ہیں۔

نثار عزیز بٹ نے اپنا پہلا خاکہ اپنی قریبی دوست ہاجرہ مسرور پر لکھا ہے۔ نثار عزیز بٹ ان کو پیار سے "ہجی" کہا کرتی تھیں۔ ہاجرہ مسرور اُردو ادب کا معتبر نام ہے۔ جنھوں نے متوسط اور نچلے طبقے کی زندگیوں کے دکھوں، غموں اور مسائل کو اُجاگر کیا۔ نثار عزیز بٹ نے محبت، خلوص اور سچائی کے ساتھ ہاجرہ مسرور کی شخصیت کو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ نثار عزیز بٹ نہ صرف ہاجرہ مسرور کی صاف گوئی سے بے حد متاثر تھیں بلکہ ان کے نزدیک ہاجرہ مسرور محبت اور پُر خلوص دوست بھی تھی۔ ایک دن نثار عزیز بٹ کا ہاجرہ مسرور کے گھر جانے اور رہنے کا اتفاق ہوا تو وہ ان کی ازدواجی زندگی سے بے حد متاثر ہوئیں۔ ”نثار عزیز بٹ نے ان کے خوب صورت ازدواجی رشتے کی بنیاد ہاجرہ مسرور کی بے حد نسائی، صاف گوئی اور احمد علی کا فطری ٹھیراؤ، عمیق سی خیال پرستی اور سلجھاؤ کے امتزاج کو کہا ہے۔“(۳) اس خاکے میں ہمیں کہیں پر بھی تلخ انداز نظر نہیں آتا مصنفہ نے سنجیدگی اور خوش اسلوبی سے خاکہ لکھا ہے۔ ہاجرہ مسرور کی شادی سے بے حد متاثر ہوئیں اس کا ذکر ان کی آپ بیتی میں بھی ملتا ہے۔

> ”...ہاجرہ نے شفق کے رنگ کا ساٹن کا غرارہ پہن رکھا تھا۔ جس پر نگ لگے تھے۔ (یہ وہ نگ تھے جن کو لگا کر انگوٹھے سے بند کیا جاتا ہے۔) خدیجہ کے غرارے کا رنگ ہلکا سبز تھا۔ ہاجرہ کی آنکھیں آنسوؤں کے نم سے چمک رہی ہیں۔ بڑی آنکھیں، تیکھے ابرو، چھوٹی سی ٹھوڑی... میں اسلامیہ کالج پہنچی تو بے حد خوش تھی۔ وہ شادی مجھے بڑے منفرد انداز کی شادی لگی۔ شادیوں میں عام طور پر دولہا، دولہن شطرنج کے مہرے نظر آتے ہیں ان کی کوئی مرضی نہیں ہوتی لیکن وہاں ایسا محسوس نہ ہوا۔ مرد اور عورتیں سب بڑے فطری انداز میں آپس میں ہنس بول رہے تھے۔“(۴)

خاکہ محض ۳ صفحات پر مشتمل ہے جس میں اختصار، جزئیات نگاری، دیانتداری اور دلچسپ واقعات سب ہی کچھ موجود ہے۔ اس خاکے میں جہاں خوبیاں موجود ہیں وہاں خامیاں بھی ہیں۔ خاکے میں مزاح کم سنجیدگی زیادہ ہے۔ جس وجہ سے قاری پر ہاجرہ مسرور کی شخصیت کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔ نثار عزیز بٹ نے ان کی خامیوں کی نسبت

خوبیوں کو زیادہ اُجاگر کیا اور جہاں کہیں کمزوری کو بیان کیا وہاں ہمدردی بھی نظر آتی ہے شاید اس کا سبب مصنفہ کی ان سے گہری دوستی ہو سکتی ہے۔

ممتاز شیریں اُردو ادب کی پہلی خاتون نقاد ہیں، جنھوں نے بحیثیت افسانہ نگار اور مترجم الگ اسلوب اپنایا جس کو بڑے بڑے ادباء نے سہرایا۔ ان کے اہم کارنامے ''معیار" اور ''منٹو نوری نہ ناری'' کو ادب میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نثار عزیز نے اپنا دوسرا خاکہ ممتاز شیریں پر لکھا ہے۔ ممتاز شیریں کی شخصیت پر لکھے گئے اس خاکے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے حصے میں چھ اور دوسرے حصے میں پانچ صفحات ہیں جس میں نثار عزیز نے ممتاز شیریں کی تمام خوبیوں اور خامیوں کو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

نثار عزیز بٹ سے ان کی پہلی ملاقات ۱۹۵۵ء میں ''منٹو کی یاد میں'' ایک جلسے کے دوران کراچی میں ہوئی تھی۔ اس مضمون میں نثار عزیز بٹ نے ممتاز شیریں کے خیر و شر کے نظریہ پر بحث کی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ممتاز شیریں جیسی شخصیت نے آخر جلد اپنا قلم خاموش کیوں کر دیا۔ نثار عزیز بٹ نے ممتاز شیریں کی کم گوئی ، شوہر کا نظر انداز کرنا، شوہر کا خوف و نفسیاتی اُلجھن، بیماری، مظلومیت اور بے بسی ممتاز شیریں کا رہن سہن، لباس اور سادگی، ادبی اور ذاتی زندگی میں فرق نیز ایک مکمل مشرقی خاتون کی تصویر کشی نہایت خوب صورتی اور سچائی کے ساتھ بیان کی ہے۔ نثار عزیز بٹ کو ممتاز شیریں سے گہری وابستگی، لگاؤ اور محبت تھی یہی وجہ ہے کہ یہ خاکہ ان کی آپ بیتی ''گئے دنوں کے سراغ'' میں بھی موجود ہے۔

نثار عزیز بٹ کو ممتاز شیریں کے تنقیدی مضامین بے حد پسند تھے۔ اکثریت کے مطابق ممتاز شیریں میں انا پرستی تھی مگر نثار عزیز بٹ کہتی ہیں ''کہ جب وہ ممتاز شیریں کے قریب آئیں تو انھوں نے بااعتماد کہا کہ ممتاز شیریں میں دور دور تک انا پرستی نہیں ہے بلکہ جو بات ممتاز شیریں کو پسند نہیں آتی تو وہ زیادہ تر خاموش ہی رہتی تھیں۔''(۵) ممتاز شیریں ذیابطیس کے مرض میں مبتلا تھیں۔ مرض اتنا شدید بڑھ گیا تھا کہ ہسپتال داخل کروانا پڑا۔ جب نثار عزیز بٹ ان سے ملنے گئیں تو اس واقعے کا ذکر خاکہ میں کرتے ہوئے خود بھی افسردہ ہو جاتی ہیں اور قارئین کو بھی دُکھی کر دیتی ہیں۔ نثار عزیز بٹ کے خیال میں ادب اور فن ہی ایک ادیب کو زندہ جاوید رکھتا ہے اور فن ہی موت پر غلبہ پانے کی ایک کوشش ہے۔ ان کے نزدیک ممتاز شیریں کا وقت سے پہلے ''خاموش قلم'' ان کی موت کا سبب بنا ہے۔

> ''عقلی طور پر ممتاز شیریں نے انسان کو خیر و شر کا مجموعہ تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن اپنے گردونوح کے شر سے کوئی سمجھوتہ نہیں کر پائی تھیں۔ اس ناکامی نے ان کے قلم کو بہت جلد خاموش کر دیا۔ لیکن میں گواہ ہوں، کہ آخری دنوں میں شر تو کیا اپنی انا

تک پر انھوں نے مکمل مکمل فتح حاصل کر لی تھی... چنانچہ جب انھوں نے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے سے پہلے ہی فن کو تیاگ دیا۔ تو گویا موت پر غلبہ پانے کی کوشش بھی چھوڑ دی۔"(۲)

نثار عزیز بٹ نے ممتاز شیریں کی ادبی اور ذاتی زندگی کا نقشہ دیانتداری سے کھینچا ہے۔ مصنفہ ان کی ذات اور شخصیت سے ہمیشہ متاثر رہی ہیں۔ شادی کے بعد ممتاز شیریں کی شخصیت میں جو نفسیاتی اُلجھن، کشمکش، خاموشی، خواہشات کا اظہار نہ کر پانا اور اپنی ذات کے لیے آواز نہ اُٹھانا ان سب کا ذکر بھی اس خاکے میں ملتا ہے۔ نثار عزیز بٹ ان سب معاملات سے واقف تھیں اور ان کی مدد بھی کرنا چاہتی تھیں مگر وہ کبھی کچھ نہیں کر سکیں شاید اس کی وجہ خود ممتاز شیریں کا صابر اور خاموش کردار تھا۔

نثار عزیز بٹ ممتاز شیریں کی خاموشی، فن سے تیاگ، ذات کی محرومیاں اور ذاتی المیوں کا سبب کسی حد تک صمد شاہین (ممتاز شیریں شوہر) کو سمجھتی ہیں لیکن اس کے باوجود اس بات کا تعین نہیں کر پاتیں کہ صمد شاہین کو کہاں تک دوش دیا جا سکتا ہے۔ ایک بہترین قلم کار کی زندگی میں صمد شاہین کو کہاں تک غلط مانا جا سکتا ہے کیونکہ نثار عزیز بٹ ممتاز شیریں کے مسلک کا پاس بھی رکھتی ہیں، ممتاز شیریں نے کبھی بھی نثار عزیز بٹ کے سامنے صمد شاہین کو کبھی کسی بات کا ذمے دار نہیں ٹھہرایا۔

اس خاکہ کے اختتام پر نثار عزیز بٹ نے ممتاز شیریں کے لیے یہ شعر لکھا جو ان کی ذات کی مکمل عکاسی ہے۔

لو وہ بھی کہتے ہیں یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں
گھٹ کے مر جائیں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے!! (گئے دنوں کا سراغ، ص ۴۱۴)

نثار عزیز بٹ کے لکھے گئے خاکوں میں یہ خاکہ طویل ہے۔ خاکے میں مصنفہ نے ممتاز شیریں کی خامیوں اور کمزوریوں سے زیادہ خوبیوں کو اُجاگر کیا ہے جس کی وجہ مصنفہ کی ان سے گہری دوستی اور محبت ہے یہی خامی ہمیں ہاجرہ مسرور کے خاکے میں بھی نظر آتی ہے۔ اس خاکے کا اسلوب سادہ، سلیس اور رواں ہے کہیں بھی پیچیدگی اور مشکل الفاظ کا استعمال نہیں کیا گیا۔

نثار عزیز بٹ نے تیسرا خاکہ اُردو کی افسانہ اور ناول نگار خدیجہ مستور پر لکھا ہے۔ ان کے ایک ناول "آنگن" کو آدم جی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ خدیجہ مستور زندہ دل، خوش مزاج اور باوقار خاتون تھیں۔ نثار عزیز بٹ نے ہاجرہ مسرور

اور ممتاز شیریں کے خاکوں میں خامیوں سے زیادہ خوبیوں کو بیان کیا ہے لیکن اس خاکے میں ایسا نہیں ہے۔ مصنفہ نے خدیجہ مستور کی خوبیوں کے ساتھ خامیوں کا بھی ذکر کیا ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ اس خاکہ میں کسی قسم کی پردہ پوشی نہیں کی گئی تو غلط نہ ہوگا۔ یہ خاکہ خدیجہ مستور اور مصنفہ کی آخری مگر ادھوری ملاقات پر مبنی ہے۔ اس میں مصنفہ نے اپنے اور خدیجہ مستور کے خطوط کو بھی شامل کیا ہے۔ جس سے خدیجہ مستور کی ذات سے متعلق کچھ کمزوریاں سامنے آتی ہیں۔ خدیجہ مستور اور ان کی ہم عصر خواتین ادیبہ نے جس زمانے میں اپنا تخلیقی سفر شروع کیا ہر لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایک طرف تو سیاسی اور معاشرتی ہنگامہ خیز فضا قائم تھی اور دوسری جانب مختلف فکری و ادبی نظریات کے تصادم زور و شور پر تھے۔ جس کی اولین مثال ترقی پسند تحریک ہے۔ خدیجہ مستور بھی انھی ادباء میں شامل تھیں۔ انھوں نے اُردو ادب کے لیے کئی مشہور ناول اور افسانے لکھے لیکن شادی کے بعد ان کی زندگی میں تبدیلی آئی اور وہ ادب سے دور ہو گئیں۔

خدیجہ مستور اپنی شادی شدہ مصروف زندگی اور ادب سے دوری پر افسردہ ہو کر مصنفہ کو خط میں لکھتی ہیں:

"پیاری سارو!، سلام! خیال تو تھا کہ دو چار مہینے بعد خط لکھا جائے مگر آج واقعی تم یاد آ گئیں اور بے ساختہ جی چاہا کہ تم کو خط لکھا جائے۔ دوسرا کچھ یہ بات بھی تھی کہ عینی کے ترجمے کی بات سُن کر جان جل گئی... مجھے کوئی نہ چھیڑے۔ کوئی نہ بولے... میں امی ہوں، بیوی ہوں، مالکن ہوں، زندگی کے اتنے بہت سے جنجالوں میں بے بس مکھی کی طرح پھنس گئی ہوں۔ کبھی کبھی کلیجہ پھاڑ کر روتی ہوں مگر فرصت پھر بھی پاس نہیں بھٹکتی... سارو مجھے تو ابھی جانے کیا کچھ لکھنا ہے کیا کچھ کہنا ہے۔"(۷)

مصنفہ کا خاکے میں اس خط کو شامل کرنے کا مقصد خدیجہ مستور کے نزدیک ادب کے لیے اہمیت اور لگاؤ کو واضح کرنا ہے۔ خدیجہ مستور کی خوش اخلاقی، سادگی، بچوں اور شوہر سے محبت، اچھی دوست، ہر کام کے لیے حاضر رہنا کبھی انکار نہیں کرنا وغیرہ ان کو ہر دلعزیز بنائے رکھتا۔ اس خاکے میں حق گوئی، ایمانداری، توازن اور جانبداری سے کام لیا گیا ہے۔ ہاجرہ مسرور اور ممتاز شیریں کے خاکوں کی نسبت یہ خاکہ مختصر اور زبان و بیان میں شگفتگی ہے۔ نثار عزیز بٹ اپنی آخری ملاقات کے بارے میں بتاتی ہیں کہ جن دنوں میں سیڈن تھی خدیجہ مستور شدید بیمار تھیں جب میں سیڈن سے واپس ان سے ملنے کے لیے آئی تو خدیجہ مستور کو علاج کے لیے لندن لے گئے تھے۔ جس وجہ سے ہماری ملاقات ادھوری رہ گئی اور میں خدیجہ مستور سے نہیں مل سکی جس کا افسوس مجھے ہمیشہ رہا۔

نثار عزیز بٹ نے حجاب امتیاز علی کی شخصیت پر بھی قلم اُٹھایا۔ جن سے مصنفہ کی پہلی ملاقات ۱۹۸۲ء میں

ہوئی۔ نثار عزیز بٹ نے حجاب امتیاز علی کا خاکہ خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ حجاب امتیاز علی تاج اُردو کی نامور ادیبہ اور پہلی خاتون ”ہوا باز “ ہیں۔ شہرت یافتہ ہونے کے باوجود ان کی طبیعت میں محبت، خلوص، شرارت، خوش مزاجی، مشکل وقت میں کام آنی والی اور غرور تکبر سے پاک خاتون تھیں۔ ان کی انھی خوبیوں کی وجہ سے نثار عزیز بٹ ان کی اچھی دوست بن گئیں۔ نثار عزیز بٹ بتاتی ہیں کہ حجاب امتیاز علی کو پبلسٹی بالکل پسند نہیں تھی۔ نہ کبھی کسی کا دل دُکھاتی تھیں اور نہ کبھی کسی کی تعریفوں کے پُل باندھتی تھیں بلکہ انھیں جو جیسا نظر آتا ویسا ہی کہہ دیتی تھیں۔

حجاب امتیاز علی اور اپنی دوستی کے بارے میں کہتی ہیں:

> ”حجاب کا اور میرا بڑا عجیب رشتہ تھا... انھوں نے کمال معصومیت سے مجھ سے محبت کی جیسے لڑکپن کے زمانے میں اپنی سہیلیوں سے کرتی ہوں گی... حجاب کے ایک اور احسان کا ذکر نہ کروں تو وہ بھی خود سے اور ان سے زیادتی ہو گی کہ جس طرح ان کی ذات نے لاہور میں میرے ابتدائی دنوں کی اُداسی اور ویرانی میں رونق اور زندگی پیدا کی۔ اسی طرح ان کے ناولوں اور کہانیوں نے میرے لڑکپن کی ذہنی تنہائی کے دھندلکے کو منور کیا۔“(زنبیل، ص۴۱۹)

حجاب امتیاز علی کی شخصیت پر اس خاکہ میں جو اہم باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ حجاب امتیاز علی میں انا پرستی، مقابلہ بازی، غرور، دل نہ دُکھانا، نہ ہی کسی سے متاثر ہوئی اور ذات میں بناوٹ نہ ہونا بلکہ جیسی وہ اندر سے تھیں ویسی ہی سب کے سامنے تھیں جس نے نثار عزیز بٹ کو کافی متاثر کیا۔ ان کی زندگی کے آخری لمحات کا ذکر مصنفہ نے دردمندی اور اُداسی سے قلم بند کیے ہیں۔

حجاب امتیاز علی بھی ممتاز شیریں اور خدیجہ مستور کی طرح نفسیاتی کشمکش اور شک و شبہات میں گرفتار ہوئیں جس کا ان کی صحت پر بہت اثر ہوا۔ ان کی حالت اتنی خراب ہو گئی کہ ہسپتال میں داخل کروانا پڑا اور وفات پا گئیں۔

جمیلہ ہاشمی کا خاکہ نثار عزیز بٹ نے محض ۲ صفحات پر لکھا ہے۔ جو خاکہ کم اور مضمون زیادہ لگتا ہے۔ اس میں مصنفہ نے جمیلہ ہاشمی کے آخری لمحات اور دوستوں کے بارے میں مختصراً بیان کیا ہے۔

> ”۱۲ جنوری ۶۹ء صبح ۷ بجے: کل جمیلہ کے جنازے کے مناظر دل گداز تھے۔ میں صحن میں گئی تو وہ سرخ دوپٹہ اوڑھے لیٹی تھی اور عورتیں چاروں طرف کھڑی غمگین شعر پڑھ رہی تھیں۔ جنازہ اٹھانے کا وقت آیا تو میرا جی چاہا کہ میں اس کے

قریب جاؤں۔ عاشی میرا بازو پکڑ کر مجھے عورتوں کے اژدہام میں سے گزار کر قریب لے گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ بہت خوب صورت لگ رہی ہے! سبھی اشکبار تھے۔" (زنبیل، ص ۴۱۹)

اس خاکہ میں مصنفہ نے جمیلہ ہاشمی کی حالاتِ زندگی، شخصیت اور ادبی و ذاتی حوالے سے کچھ خاص نہیں لکھا۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ وہ بھی دوسرے ادیبوں کی طرح تنہائی کا شکار، نفسیاتی کشمکش اور بے سکون رہیں۔ ان کے بچے اور شوہر ہر وقت حاضر رہتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ خود کو تنہا سمجھتی تھیں۔ "ایک اچھے خاکے کی مطلعی پہچان یہ ہے کہ اس کے مجموعی تاثر کے طور سے موضوع کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہمارے ذہن میں پیدا ہو جائے کیونکہ یہی خاکہ لکھنے کا مقصد ہے۔" (۸) نثار عزیز بٹ کے خاکوں میں ایک اچھے خاکے کی یہ مطلعی اور مجموعی تصویر واضح طور پر دیکھائی دیتی ہے۔

مضمون ایسی صنفِ سخن ہے جس میں مصنف اپنے جذبات و خیالات کا اظہار اور کسی بھی اہم واقعے کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ انگریزی زبان میں مضمون کے لیے Essay کا لفظ مستعمل ہے۔ مضمون لکھنے کے تین اہم اصول / اجزاء ہیں:

۱۔ تمہید
۲۔ متن
۳۔ اختتام

ان میں سے اگر ایک بھی اجزا کم ہو جائے تو مضمون مکمل نہیں ہو سکتا۔ مضمون میں کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا اظہار کیا جاتا ہے نیز اس میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی ہے۔ (۹) تاریخی، سیاسی، سماجی، عمرانی، تاثراتی، رومانی، نفسیاتی اور تحقیقی وغیرہ جیسے موضوعات پر مضمون لکھے جاتے ہیں۔ مضمون نویسی ایک نہایت مفید صنفِ سخن ہے۔ اس کے موضوعات میں بہت وسعت اور تنوع ہے۔ اخلاقی، اصلاحی، علمی، ادبی، سائنسی، تنقیدی، تاریخی اور سوانحی غرض کہ ہر موضوع پر بہترین مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ مضمون کی شرط یہ ہے کہ اس کی زبان میں سادگی، سلاست اور دل آویزی ہو اور خیالات کی ترتیب میں کسی بھی قسم کا الجھاؤ نہ ہو البتہ ادبی نوعیت کے مضامین میں بھی عبارت آرائی سے کام لیا جائے۔ مضمون لکھنے کے کوئی مخصوص اور باقاعدہ اصول نہیں ہوتے لیکن ہر مضمون کی ایک منطقی ترتیب ہوتی ہے۔ جس کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے یعنی سب سے پہلے موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے، پھر اس کے بارے میں مضمون نگار اپنے نقطہ نظر سے موضوع کی نسبت سے مخالفت یا تائید میں دلائل دیتا ہے اور آخر میں نتیجہ پیش کیا جاتا ہے۔ (۱۰)

اُردو ادب میں مضمون نگاری کی ابتدا سر سید احمد خان سے ہوئی اور ان کو اُردو کا پہلا مضمون نگار کہا جاتا ہے۔ سر سید کے رفقاء کاروں میں الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی چراغ علی، محسن الملک، وقار الملک اور ان کے علاوہ نواب اعظم یار جنگ، مولوی ذکاء اللہ، ان کے فرزند مولانا عنایت اللہ، مولوی وحید الدین سلیم اور مولانا عبدالحلیم شرر نے اپنے دور میں بہترین اصلاح، مقصدی اور معاشرتی طرز کے مضامین لکھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سید عابد علی عابد، فرمان فتح پوری، سلیم احمد، وحید قریشی، عبادت بریلوی، سید وقار عظیم، کلیم الدین احمد، وزیر آغا، سید عبداللہ اور وحید قریشی وغیرہ جیسی اہم شخصیات نے مضمون نگاری کی صنف کو برتا اور آج بھی اس صنف کی وہی مقبولیت ہے جو سر سید احمد خان کے دور میں تھی۔

نثار عزیز بٹ جدید دور کی منفرد ناول نگار ہیں۔ انھیں ادب کے سنجیدہ قارئین نے ہمیشہ سراہا ہے۔ ادب میں ان کی اہمیت، مقام اور تصانیف کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کبھی سستی شہرت پر اعتماد نہیں کرتیں تھیں۔ ان کی زندگی کا واحد مقصد لکھنا اور پڑھنا رہا ہے۔ جس کو باخوبی اور انصاف کے ساتھ انھوں نے قلم بند کیا ہے۔ انھوں نے مضامین بھی لکھے۔ جو ان کی کتاب ''زنبیل'' میں شامل ہیں۔

''میں کیوں لکھتی ہوں؟'' ان کا پہلا مضمون ہے جس میں نثار عزیز بٹ نے یہ بتایا ہے کہ وہ کیوں لکھتی ہیں اور ان کی تحریریں جدت، روایت، جذبات، تہذیب اور مذہب کے پس منظر میں کیوں لکھی گئی ہیں۔ نثار عزیز بٹ اللہ تعالیٰ سے اکثر کسی نہ کسی بات پر گلہ کرتی رہتی تھیں یہی انداز ان کے ناولوں میں بھی نظر آتا جس میں کردار خدا سے گلہ بھی کرتے ہیں اور وقت کے ساتھ ان کے اندر تبدیلی آجاتی ہے یعنی وہ صبر اور شکر سے کام لیتے اور گلہ کرنا ختم کر دیتے ہیں یہی حال نثار عزیز بٹ کا ہے وقت کے ساتھ ان کے اندر تبدیلی آئی جس نے ان کی ذات کو بدل کے رکھ دیا اور وہ گلے کم شکر زیادہ کرتی ہیں۔ ان کی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت جدت و روایت کی کشمکش ہے۔ تب ہی تو اس ایک خیال نے نثار عزیز بٹ کے تینوں ناولوں کو ہار کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ اسی سفر کی نزاکت اور حیرت و استعجاب ہے جس میں مگن ہو کر نثار عزیز بٹ نے اپنے تین ناول لکھ ڈالے۔ یہ سوچے بغیر کہ قارئین ان کے اس سفر میں شامل بھی ہیں کہ نہیں۔ (۱۱)

نثار عزیز بٹ اپنی دھن میں ہی رہتی تھیں یہ عادت نہ صرف تحریروں میں بلکہ زندگی میں بھی تھی۔ اس مضمون میں مصنفہ اپنی مختصر حالاتِ زندگی، اپنے آباؤاجداد اور پسماندہ علاقوں جہاں مصنفہ نے قیام کیے مختصراً بتاتی ہیں۔ الغرض ان کے ناول ''نگری نگری پھرا مسافر''، ''نے چراغ نے گلے'' اور آپ بیتی ''گئے دنوں کا سراغ'' میں جدت، جذبات کی بھرمار، تہذیب اور روایت سے کبھی بغاوت تو کبھی آزادی کی کشمکش ملتی ہے جس کا سبب ان کی

زندگی پر اثرانداز ہونے والے واقعات، اردو گرد کے لوگ، علاقوں کا رہن سہن، تہذیب اور انگریزی ادیبوں (ان کے نظریات) ہیں۔ میں کیوں لکھتی ہوں کے علاوہ نثار عزیز بٹ جن انگریز ادباء کے نظریات سے متاثر رہیں اس حوالے سے انھوں نے ایک مضمون الگ سے تحریر کیا ہے۔

"جدت اور روایت کی کشمکش" یہ نثار بٹ کا دوسرا مضمون ہے جو نام سے ہی ظاہر ہے کہ ان کے ہاں جدت اور روایت کی کشمکش کی وجوہات کیا ہیں۔ ان کے نزدیک جرمنی سے تعلق رکھنے والے فلاسفر "اوسوالڈ مینوئل آرنلڈ گوٹ فرائیڈ اسپنگلر" کے تہذیبی نظریات خاصے اہمیت کے حامل ہیں۔ سپنگلر کا مذہب اور تہذیب کے حوالے سے تبصرہ خاص طور پر بہت سطحی تھا۔ اس نے نیکی اور بدی کی آویزش دو خدوں یزداں اور اہرمن کو اسلام سے منسوب کیا ہے۔ سپنگلر نے یورپ مرکزیت کے جس خطرے سے خبردار کیا تھا وہ امریکی فکر میں کہیں زیادہ خطرناک انداز سے سامنے آیا۔ دراصل مصنفہ نے اس مضمون میں سپنگلر کے نظریات کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے جن سے وہ بے حد متاثر ہوئیں اور ان کو اہم سمجھتی ہیں مگر بعض اوقات وہ سوچتی ہیں کہ اگر سپنگر نے انھیں اپنا اسیر کر لیا تو وہ ان کو تنہائی، ادبی ناکامی اور ذہنی اور روحانی سرشاری کے ایک صحرا میں دھکیل دے گا جہاں ان کی پوری زندگی دشتِ نوردی میں گزر جائے گی۔(۱۲) بہر حال نثار عزیز بٹ کے "جدت اور روایت کی کشمکش"، مضمون لکھنے کا مقصد سپنگلر کے نظریات کو درست اور صحیح ثابت کرنا ہے۔

"ایک تقریر" نثار عزیز بٹ، انتظار حسین، ظفر علی اور الطاف گوہر کی بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت پر مبنی مضمون ہے۔ اس کانفرنس میں ہونے والی بحث و تکرار کو نثار عزیز بٹ نے مضمون کی شکل دے دی۔ اس کانفرنس کا موضوع "ورلڈ فیوچر سٹڈیز" تھا۔ جو ۱۹۸۲ء میں سویڈن میں منعقد ہوا تھا۔ نثار عزیز بٹ نے اس کانفرنس کو مضمون کی شکل دیتے وقت کچھ تبدیلیاں بھی کی ہیں۔ ایک تقریری مضمون کو مصنفہ نے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کر کے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے نیز اس میں تیسری دُنیا کے تخلیقی عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے پہلی اور دوسری دنیا سے نکال کر تیسری دنیا میں آنے کی تلقین بھی کی ہے۔ تہذیبوں کی بقاء اور سپنگلر کے نظریہ تہذیب پر تفصیل سے لکھا ہے۔

"آنگن" کے نام سے نثار عزیز بٹ نے مضمون لکھا ہے۔ "آنگن" خدیجہ مستور کا بہترین ناول ہے۔ "آنگن" تقسیم ہندوپاک کے پس منظر میں لکھا گیا بے شمار کرداروں پر مبنی کہانی ہے۔ ادب میں واحد ناول ہے جس کے نہ صرف مرکزی بلکہ ضمنی کردار بھی قارئین کے دل و دماغ پر گہرا اثر کر جاتے ہیں۔ نثار عزیز بٹ بھی ان کرداروں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور ان کرداروں پر مضمون لکھ ڈالا جس میں مصنفہ نے مرکزی و ضمنی ہر

کردار پر تنقیدی نگاہ سے روشنی ڈالی ہے۔ناول آنگن کے کرداروں میں متوازن، حقیقت پسندی، پُر کشش، اثر انگیز اور مناسب فضاموجود ہے۔ آنگن کے کرداروں کا تجزیہ کرتے ہوئے مصنفہ کے مطابق چھمی ''باغی کردار''، جمیل اور شکیل خاص سمت میں نہیں بلکہ ہر وقت کے مسائل سے بھاگتے ہیں ''بڑی چچی'' گھر کے امور میں حصہ نہیں لیتی ''بڑا چچا'' سخت مزاج، ''کریمن بوا'' وفادار ملازم، ''تہمینہ'' حساس، خاموش کردار، ''صفدر'' بے زار کردار، ''عالیہ کے والد'' نرم مزاج لیکن انگریز کے خلاف بغاوت کرتے اور ''عالیہ'' مضبوط، مرکزی اوراہم کردار ہے جو اپنے اصولوں پر چلتی ہے۔

''سفر وسیلہ ظفر'' اصل میں نثار عزیز بٹ کی ہندوستان کے سفر کی روداد ہے جسے سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے مضمون کی فہرست میں شامل کیا ہے کیونکہ اسے کسی حد تک مضمون بھی کہا جا سکتا ہے۔ مصنفہ نے کہا کہ ''سفر وسیلہ ظفر'' کو سفر نامہ یا رپور تاژ نہیں سمجھا جائے کیونکہ یہ روداد ہے جو دہلی کا سفر ہے۔ نثار عزیز بٹ نے اپنی کتاب ''نَے چراغ نَے گُلے'' کے لیے ہندوستانی کلچر، رہن سہن اور رسم رواج کو قریب سے جاننے کے لیے دہلی کا سفر کیا تھا۔ مگر وہ دلی کے مناظر دیکھ کر بے حد آفسردہ ہوئیں۔ انھوں نے کتابوں میں مغلوں کی کہانیوں، تہذیب، ثقافت اور واقعات کے بارے میں جو کچھ پڑھا ویسا کچھ یہاں نہیں پایا، ان کے مطابق ہندوستان کا کوئی مخصوص تہذیب و ثقافت نہیں بلکہ یہ سب مغلوں کا ہی کلچر ہے۔ اس مضمون میں نثار عزیز بٹ نے دہلی میں پیدا ہونے والی مغربی تہذیب کی بھی تصویر کشی کی ہے۔ نیز موجودہ دہلی اور مغل حکومت کی موجودہ نقوش کو بہترین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اپنے مضمون میں اس روداد کے بارے میں وہ قارئین کو بتاتی ہیں کہ موجودہ دلی کی فضا کسی حد تک تو مغربی تہذیب کی عکاسی تھی۔ جیسا کہ آج کل دنیا کے تمام بڑے شہر ہیں۔ دلی دیکھ کر جو ظاہر ہے عمارات کی دلی ہے نثار عزیز بٹ قلق لگی۔ ان کے مطابق دلی ایک مغل شہر تھا۔ اسے مغلوں کے ساتھ ہی ختم یا غیر اہم ہو جانا چاہیے تھا۔ اب تو وہ ہندوستان کی ساری ہنگامہ پرور تاریخ کا ایک قدرے مضحکہ خیز عماراتی لب لباب بن کر رہ گئی ہے۔ (۱۳)

''ایشیائی ادیب کے مسائل'' دراصل ۱۹۶۳ء میں منیلا میں ہونے والی ادبی کانفرنس ہے۔ یہ کانفرنس ''ادب میں روایت و جدت'' کے موضوع پر تھی۔ نثار عزیز بٹ نے اس ادبی کانفرنس میں "ادارہ مصنفین پاکستان" کی جانب سے شرکت کی تھی۔ اس کانفرنس میں بڑے بڑے ادیبوں نے بھی شرکت کی تھی جن میں "رائٹر گلڈ مغربی پاکستان" کی جانب سے ڈاکٹر سجاد اور مسٹر علی حسن نے شرکت کی۔ ہندوستان کی طرف سے شرکت کرنے والوں میں گوپی گابا، خشونت سنگھ اور مسٹر پادھے شامل ہیں۔ ان کے علاوہ برطانیہ سے میکلیکلن، آسٹریلیا سے مسٹر پریسٹن، امریکا سے جیسی سٹوریٹ اور مسز بائی کراؤن نے شرکت کی۔ نثار عزیز بٹ نے اس مضمون میں کانفرنس میں ادیبوں کی طرف سے پڑھے جانے والے آرٹیکلز کا مختصر تعارف کروایا ہے۔ یہ مضمون مصنفہ کی آپ بیتی "گئے دنوں کا سراغ" میں بھی موجود ہے۔ اس کانفرنس کی صدارات مسٹر علی حسن نے کی۔ اس ادبی کانفرنس میں

چین، ہندوستان، پاکستان، تھائی لینڈ، امریکا، بنگال اور مختلف ممالک کے ادب میں موجود جدت اور روایت کے نظریہ کے حوالے سے اس بات پر بحث کی گئی ہے۔

آخری مضمون ''اُردو فکشن کے پچاس سال'' سے متعلق ہے۔ جو صرف ایک نشست پر مبنی ہے۔ اس مضمون میں بھی مصنفہ نے وہی سب کچھ بیان کیا ہے جو اس سیمی نار میں وقوع پذیر ہوا یعنی ہر ادیب نے افسانے اور ناول کا موازنہ روایت کے پسِ منظر میں کیا ہے۔ اس میں شرکت کرنے والوں میں اصغر بٹ، انتظار حسین، اعجاز حسین بٹالوی اور نثار عزیز بٹ شامل ہیں۔ اس سیمی نار میں ''انگارے'' سے لے کر موجودہ حال کے افسانوں اور ناولوں پر گفتگو کی گئی ہے۔ جس کو مصنفہ نے مضمون کی صورت میں پیش کیا ہے۔

خاکہ نگاری کے جملہ عناصر ترکیبی میں کردار نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے کردار نگاری ایسا بنیادی جز ہے کہ اس کے بغیر خاکہ کا تصور ہی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ کردار نگاری کے ضمن میں مذکورہ شخصیت کے خدوخال، حرکات سکنات، لباس، نفسیاتی اور ذہنی کیفیات و تغیرات، جذبات اور احساسات سب کچھ عمدگی سے پیش کیا جاتا ہے۔ نثار عزیز بٹ کے خاکوں میں خاکہ نگاری کے تمام فنی لوازمات ملتے ہیں۔ انھوں نے جن شخصیات پر خاکے لکھے وہ اردو ادب کی اہم اور ممتاز خواتین افسانہ نگار، ناول نگار، نقاد اور شاعر ہیں نثار عزیز بٹ کے خاکوں میں نہ صرف صاف گوئی، جزئیات نگاری اوران کی ذات میں موجود مثبت و منفی پہلوؤں کو اُجاگر کیا بلکہ خواتین کی زندگی کے اندرونی و بیرونی مسائل کو بھی پیش کیا ہے۔

مضمون نگاری میں خاص موضوع پر اظہار خیال کیا جاتا ہے لیکن نثار عزیز بٹ نے عام و خاص ہر موضوع پر مضامین لکھے۔ ''ایشیائی ادیب کے مسائل'' اور ''اُردو فکشن کے پچاس سال''، ''ایک تقریر'' ایسے مضامین ہیں جو دراصل سیمی نار اور کانفرنس پر مبنی ہیں لیکن مصنفہ نے انھیں مضمون کی صورت میں قارئین کے سامنے پیش کیا تاکہ بعد کے قارئین بھی ملکی و غیر ملکی ادبی سیمی نار سے واقف ہو سکیں ان سیمی نار میں جدت طرازی اور ادبی روایت کے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اس کے علاوہ ان مسائل کے حل پر بھی بحث کی گئی ہے اردو مضمون نگاری میں یہ الگ انداز صرف نثار عزیز بٹ کے یہاں ملتا ہے جنھوں نے چند صفحات پر ہی اہم گفتگو سے ہمیں آشنا کروایا۔ ان کا ایک مضمون ''جدت اور روایت کی کشمکش''، ''میں کیوں لکھتی ہوں؟'' ایسے مضامین ہیں جس میں حقیقت نگاری اور نثار عزیز بٹ کے ادب سے متعلق نظریات واضح ملتے ہیں۔ "جدت اور روایت کی کشمکش" مضمون میں نثار عزیز بٹ سپنگر کے جدت اور روایت سے متعلق نظریات سے خاصی متاثر دیکھائی دیتی ہیں۔ وہ سپنگر کے نظریات کو درست تسلیم کرتے ہوئے مثبت سوچ رکھتی ہیں۔

بلاشبہ نثار عزیز بٹ ہمہ جہت شخصیت کی مالک ہیں۔ گو نثار عزیز بٹ نے خاکے اور مضامین بہت کم لکھے لیکن جو لکھا وہ صاف گوئی اور ان کے عمدہ طرزِ تحریر کا مظہر ہے۔ انھوں نے اپنی تحریروں سے نہ صرف پڑھے لکھے طبقے کو متاثر کیا بلکہ ان کیلیے ایک نئی راہ بھی مقرر کی۔ نثار عزیز بٹ ایک منفرد اسلوب کی ادیبہ ہیں اور وہ اپنی تخلیقات میں احساسات، جذبات اور خیالات کو عمدہ انداز سے پیش کرنے میں ید طولیٰ رکھتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر انور سدید، اُردو میں خاکہ نگاری مشمولہ نقوش، مرتب: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، (ملتان: کاروانِ ادب، ۱۹۸۳ء)، ص ۳۲۹
۲۔ ڈاکٹر بشیر سیفی، خاکہ نگاری (فن و تنقید)، (لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ص ۹
۳۔ نثار عزیز بٹ، ز نبیل، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۳۷۲
۴۔ ایضاً، گئے دنوں کا سراغ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۸۶، ۱۸۵
۵۔ ایضاً، ز نبیل، ص ۳۸۸
۶۔ ایضاً، گئے دنوں کا سراغ، ص ۴۰۹
۷۔ ایضاً، ز نبیل، ص ۳۹۹، ۳۹۸
۸۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، ادبی اصطلاحات کا تعارف، (لاہور: اسلوب، مئی ۲۰۱۵ء)، ص ۲۱۳
۹۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اصنافِ ادب، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۴۹
۱۰۔ ڈاکٹر علی محمد خان، اصناف نظم و نثر، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ، س ن) ص ۱۱۹
۱۱۔ نثار عزیز بٹ، ز نبیل، ص ۲۴۷، ۲۴۸
۱۲۔ ایضاً، گئے دنوں کا سراغ، ص ۲۷۳
۱۳۔ ایضاً، ز نبیل، ص ۳۰۵، ۳۰۶

مآخذ

۱۔ بٹ، نثار عزیز، ز نبیل، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء
۲۔ ـــــــ ایضاً، گئے دنوں کا سراغ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء
۳۔ خان، علی محمد، ڈاکٹر، اصناف نظم و نثر، لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ، س ن
۴۔ سدید، انور، ڈاکٹر، اُردو میں خاکہ نگاری مشمولہ نقوش، مرتب: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، ملتان: کاروانِ ادب، ۱۹۸۳ء
۵۔ سیفی، بشیر، ڈاکٹر، خاکہ نگاری (فن و تنقید)، لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۳ء
۶۔ صدیقی، ابو الاعجاز حفیظ، ادبی اصطلاحات کا تعارف، لاہور: اسلوب، مئی ۲۰۱۵ء
۷۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء